Session: 2020-21

KNOWLEDGE SERIES-I

سماجی اخراجیت کیا ہے؟

(What is Social Exclusion?)

(For Academic and Knowledge Dissemination Purpose Only)

Prepared by

Dr. Mohd. Kareem

Research Assistant, ACSSEIP, MANUU

Al Beruni Centre for the Study of Social Exclusion and Inclusive Policy

Maulana Azad National Urdu University,

Gachibowli, Hyderabad-500032

سماجی اخراج: معنی اور مفہوم

میں نے سفید اور کالے دونوں تسلّط کے خلاف لڑا۔ میں نے ایک جمہوری اور آزاد سماج کے آدرش کو پسند کیا ہے جس میں تمام افراد ہم آہنگی اور یکساں مواقع کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریں۔ یہ ایک ایسا مثالی کردار ہے جس کے حصول کے لیے میں زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ اور اگر ضرورت پڑے تو اس مثالی کردار کے وجود کے لیے میں مرنے کے لئے بھی تیار ہوں".

(نیلسن منڈیلا، 20 اپریل، 1964ء۔)

بیسوی صدی کے اواخر اور اکیسویں صدی کے آغاز میں سماجی اخراج کی اصطلاح پوری دنیا میں ایک اصولی قول بن گئی۔ اس نے تعلیم، حکومت بالخصوص پالیسی کی منصوبہ بندی، میڈیا اور سماج کے میدانوں میں ایک وسیع جگہ حاصل کی ہے۔ دنیا بھر میں اس وسیع استعمال ہونے کی بنا پر تعلیم کے سلسلے میں مختلف محققین نے اس کے مفہوم اور اس کے مختلف ابعاد اور اس کی ہیت واضح کرنے کی انتھک کوشش کی۔ نیز اس کے ذرائع اور اس کی مختلف راہوں کو مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ چونکہ اخراج کی نوعیت مختلف اور کثیر الاطراف ہے اور اس کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ اس کے معنی و مفہوم میں بھی تنوع پایا جاتا ہے۔ اگر چہ اس کے بارے میں کئی بنیادوں پر ایک صحیح اتفاق رائے قائم کی گئی ہے۔

'سماجی اخراج' کا تصور مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ ایک کثیر نظریاتی تصور ہے۔ اس لیے اس کو مختصر مفہوم واضح کرنا مشکل ہے۔ کولنز انگلش ڈکشنری کے مطابق ''سماجی اخراج سماج میں بعض لوگوں کو الگ تھلگ اور غیر ضروری ہونے کا احساس دلا کر لوگوں کے کئی گروہ بنانے کا عمل ہے اور بعض افراد اور گروہ کو بنیادی حقوق اور فوائد جیسے ملازمت، اطمینان بخش رہائش گاہ، صحت کی دیکھ بھال، تعلیم و تربیت وغیرہ جن سے عام طور پر ہر انسان استفادہ کرتا ہے۔ 'سماجی اخراج' کی اصطلاح مغربی یورپ میں وضع کی گئی ہے۔ یہ اصطلاح فرانس میں ۱۹۷۴ء میں وجود میں آ گئی۔ جہاں اسے سماجی بندھنوں کی پھوٹ یا بگاڑ بھی کہا جاتا تھا۔ بعد میں یہ کئی

یورپی ممالک میں سماجی پالیسی کی منصوبہ بندی میں مرکزی عنوان کے طور پر سامنے آ گئی۔

سماجی اخراج کے تصور کو متحدہ یورپ (EU) نے غربت سے متعلق بحث اور بیانات کو مرکزی اہمیت سے دور رکھ کر تیزی سے اپنایا۔ متحدہ یورپ میں غربت مخالف پروگراموں میں ہوئے بحث ومباحثہ کی وجہ سے سماجی اخراج میں یورپی دلچسپی بہت حد تک بڑھ گئی تھی۔ تیسرے پروگرام کے وقت جو کہ ۹۴- ۱۹۹۰ میں منعقد ہوا (جبکہ پہلا پروگرام ۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۰ تک عمل میں تھا) سماجی مسئلے کی فہرست غربت سے اخراج میں تبدیل ہوگئی۔ عام بات یہ ہے کہ متحدہ یورپ میں غربت سے متعلق بیانات کا سماجی اخراج سے متعلق بیانات میں تبادلہ ہونا ۱۹۷۰ کی دہائی کے بعد وجود میں آیا۔ ان سب تبدیلیوں کو جدید آزاد خیال نظریہ (neo liberalism) اور ثقافت سے جوڑا گیا۔ (مزید تفصیلات کے لیے Veit-wilson,1998; Byrne,1999; Levitas, 2005; Gangh & 2, 2006 ... دیکھیے)۔

مغربی یورپ میں ''سماجی اخراج'' کا تصور بیسویں صدی کے آخری حصے میں بڑی تیزی سے مشہور ہوگیا۔ اگرچہ یہ تصور دنیا کے کسی اور خطے میں کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں تھا یہ تصور ۱۹۹۰ء کی دہائی کے ابتدائی حصے میں شمالی نصف کرہ ارض سے جنوب میں پہنچ گیا۔ جبکہ اس تصور کی تاریخی جڑیں ایک مشہور فلاسفر ارسطو سے وابستہ ہیں لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے ہی مشاہدہ کیا ہے کہ عصر حاضر میں یہ تصور علیحدگی ۱۹۷۰ء کی دہائی سے فرانس میں وجود میں آ گیا۔ یہ علیحدگی سماجی پیوستگی کے ٹوٹنے کا نتیجہ ہے جو بڑھتی ہوئی بے روزگاری اور سماجی، اقتصادی عدم تعاون کے تناظر میں ۱۹۶۰ء کے دہائی کے آخر میں شہری بدامنی کی وجہ سے وجود میں آ گئی۔ غربت سے متعلق بحث و مباحثہ کو نظر انداز کرتے ہوئے فرانس سے اس کا استعمال متحدہ یورپ کے اداروں میں تیز رفتاری سے بڑھنے لگا۔ یو ں نائیٹڈ کنگڈم میں ۱۹۹۰ء کے دہائی آخر میں منتخب کی گئی نئی مزدور حکومت نے خاص طور پر جوش وخروش کے ساتھ اس تصور کو اپنانے کی کوشش کی۔ علاوہ ازیں یہ وہ دور تھا جب بین الاقوامی مزدور تنظیم اس تصور کو اقتصادی طور پر کم ترقی یافتہ ممالک میں لے جا رہا تھا۔

''سماجی اخراج'' کا تصور کیوں اتنا مشہور ہوگیا؟ اس کا جواب دینا اتنا آسان نہیں ہے بلکہ یقیناً اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جزوی طور پر یہ مضبوط سیاسی استدعا کی وجہ سے ہے۔ اس بات کا دعویٰ کیا جاتا ہے کہ سماجی علیحدگی کا تصور غربت کے مقابلے میں کم خطرناک سمجھا جاتا ہے اور اس کی علم المعانی کی لچک اس کو سیاسی صورت حال کی حد تک

قابل قبول ہونے کی اجازت دیتا ہے۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں اس تصور کو نئے آزاد خیال نظریہ (neo liberalism اورانفرادیت کی وجہ سے کافی مقبولیت ملی۔ چوں کہ یہ تصور سماجی بنیادی نقطہ نظر پیش کررہا ہے اس لیے اسکی مشہوریت میں زیادہ اضافہ ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ کئی لحاظ سے کثیرالاجہت سمجھا جاتا ہے۔ اس نظریے میں محرومیت، عدم مساوات، امتیازی سلوک کو نئے زاویوں سے دیکھنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس کے ساتھ ان تمام چیزوں کے خاتمے کے لیے تدارک بھی موجود ہے۔

کیا اس نظریہ کو عالمی سطح پر تمام اقوام اور معاشروں پر لاگو کیا جاسکتا ہے؟ بے شک نہیں۔ کئی سارے محققوں نے اس نظریہ کو جو شمالی کرہ ارض کے صنعتی اور ترقی یافتہ ممالک میں ظاہر ہوا اور ترقی یافتہ فلاحی نظام کا حامل ہے، غریب انتظامیہ ممالک جن میں بے ضابطہ اقتصادی نظام اور اکثر لوگ نہایت غریبی اور پستی میں رہتے ہیں، پر لاگو کرنے پر کئی سارے شکوک اٹھائیں ہیں۔ محققوں نے نظریہ اخراج سے متعلق ان ممکنہ خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے جس سے نظریہ سماجی اخراج کو سامنے لاکر غربت کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ اسکے بغیر اسکو غریبوں کی غربت کا ذمہ دار ٹھہرانے کے لیے الزام کی پرچی کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

لوگوں کا کون سا گروہ سماجی علیحدگی کی اصطلاح میں آتا ہے؟ ابتدا میں یہ اصطلاح جسمانی طور پر بیمار یا معذور، خودکش افراد، عمر رسیدہ افراد، بدسلوکیت کے شکار بچے، مادہ بدسلوکی کے شکار افراد قصوروار افراد، واحد والدین، گوشہ نشین اور معاشرت ناپسند افراد، اور باقی مانندہ نامناسب عناصر کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ (Silver,1994)۔ البتہ آجکل اس اصطلاح کا مفہوم بڑھ گیا ہے اور اس کو عام طور پر آبادی کے اس گروہ کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے جو سماج سے خارج کیا گیا ہو۔ اسکے دائرۂ مطالعہ میں وہ آبادی بھی آتی ہے جو بنیادی سہولیات اور برابر مواقعوں سے محروم رکھی جاتی ہے۔

سماجی علیحدگی کا مفہوم کیا ہے؟ سماجی علیحدگی نہ صرف ایک تصور ہے بلکہ یہ ایک عمل بھی ہے۔ قدرتی لحاظ سے یہ عیاں ہے کہ یہ ایک خطرناک اور کمزور بنانے والا عمل ہے۔ اس کے ذریعے سماج کے کچھ گروہ سماجی تعلقات کو طے کرتے ہیں، دوسرں پر پابندیاں عائد کرتے ہیں اور ان کو زندگی کے یقینی مواقع سے محروم کرتے ہیں۔ یہ عمل آبادی کے ایک بڑے حصے کو مظلوم بناتا ہے اور ان کو زندگی کے بنیادی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی کاموں میں حصہ لینے سے روکتی ہے۔ یہ عمل نہ صرف وسائل کی رسائی پر روک کا مطالعہ کرتی ہے بلکہ اسکی وجہ سے وجود میں آئے نتائج کا بھی جائزہ لیتی ہے۔ مختصرً اسماجی علیحدگی سے مطلب وہ عمل ہے جس کے ذریعے کچھ گروہوں کو مکمل یا جزوی طور پر اس

سماج میں بھرپور شرکت کرنے سے روکا جاتا ہے جس میں وہ رہتے ہیں ۔سماجی علیحدگی کے عمل میں خاص طور پر اصول اور منظّم تفریق، محرومیت اور سلب انسانیت، فرد کی تباہی ، سماج اور برادری میں تفرید، ذلّت ، وغیرہ شامل ہیں۔ (Pradeep B. Kadam and D.Gadkar,2014; Sen. Amartya,2000; Thorat, Sukhadeo and Kathesine S.Nauman(eds), 2010).

سماجی علیحدگی کا تصور مختلف اوقات میں گوناگوں طریقوں سے استعمال ہوکے مختلف سیاسی ،تاریخی ، جغرافیائی مقامات اور مضامین کی عکاسی کرتا ہے۔اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ہمیشہ بعض یا کئی سماجی گروہوں کو سماج میں علیحدہ کیا جاتا ہے، جب کہ وہ متاثرہ گروہ اور درجہ تفریق ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے تک ایک وقت سے دوسرے وقت تک تبدیل ہوتی رہتی ہے۔اس کے علاوہ علیحدگی کا درجہ اور شدت بھی تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ مثال کے طور پر کسی ملک میں جنسی تفریق ترقی کے لئے رکاوٹ بن سکتی ہے اور دوسرے ملک میں نسلی تفریق ترقی کو للکار سکتی ہے اور بعض ممالک میں ذات پر مبنی تفریق ،فرقہ وارانہ تفریق یا اہلیت مخالف تفریق بھی ترقیاتی منصوبوں میں خلل پیدا کرسکتی ہے۔

سماجی اخراج کی وجہ سے کون سا گروہ زیادہ متاثر ہوتا ہے؟ بہرحال اس میں وہ لوگ ہیں جو ایک ساتھ کئی امتیازی بدسلوکیوں کا سامنا کر کے پسماندگی اور غریبی میں ختم ہوجاتے ہیں۔مثال کے طور پر جسمانی لحاظ سے لاچار، نسلی اقلیت سے وابستہ قحط اور جنگ کے دوران ایک پسماندہ ملک میں زندگی گذارتی ہوئی ایک عورت سب سے زیادہ سماجی اخراج سے متاثر ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ کثیر امتیازی سلوک یعنی جنس، عمر، نااہلیت، جگہ، نسلی تفریق ، وغیرہ کا شکار ہوجاتی ہے۔(Louis 2007) اگر ہم ہندوستان کے بارے میں بات کریں تو ایک دلت عورت جو قحط سالی سے متاثر اور ذات پات کے تنازعات میں بندھی ہوئی ہوتی ہے، وہ ایک اونچی ذات والی ہم عمر، ہم درجہ اور ہم سایہ عورت سے زیادہ متاثر رہتی ہے۔اسی طرح ایک عمر رسیدہ مسلم عورت جو شہر کے پسماندہ اور خستہ حال علاقے میں رہتی ہے اپنے ہی طبقے کی ہندو عورت سے زیادہ سماجی اخراج سے متاثر ہوتی ہے۔اس لیے واضح طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کثیر امتیازی سلوک کے شکار لوگ بہت بری حالت میں ہوتے ہیں۔

کیا ہوجاتا ہے جب کوئی سماجی طور پر علیحدہ کیا جاتا ہے؟ جیسا کہ ہم نے پہلے کئی جگہوں کا حوالہ دے کر اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ علیحدگی کے وجوہات ایک ملک سے دوسرے ملک تک مختلف اوقات میں مختلف ہوتے ہیں جو کہ بدلتے ہوئے جغرافیائی تاریخی اور سیاسی حالت کی عکاسی کرتے ہیں۔البتہ لوگوں کی کم ترقی کی وجہ سے نتائج

ایک جیسے ہونگے۔سماجی علیحدگی کی وجہ سے لوگوں کی معیشت اس طرح اثر انداز ہوتی ہے کہ غربت ،ناخواندگی، خراب صحت، وغیرہ جیسے حالات وجود میں آسکتے ہیں۔سماجی اخراج زیادہ تر جنس، ذات، مذہب، نسل، رنگ قومیت وغیرہ جیسی شناختوں پر دنیا بھر میں عمل درآمد ہے۔جیسا کہ ہم نے پہلے بھی مشاہدہ کیا ہے کہ سماجی اخراج وہ عمل ہے جس میں سماج کا کوئی گروہ اپنے حقوق اور مناسب مواقع سے محروم کیا جاتا ہے کیونکہ ان حقوق اور مناسب مواقع سے غالب طبقے کے لوگ لطف اندوز ہوتے ہیں جس کی وجہ سے علیحدہ طبقے کے لوگ بنیادی سیاسی، اقتصادی معاشرے کے سماجی کاموں میں شامل نہیں ہوسکتے ہیں اور بالآخر یہ غربت اور محرومیت کے شکار ہوجاتے ہیں (SukhadeoThorat et al.) سماجی اخراج قدرتی اور باقی ماندہ وسائل کی رسائی سے روکتی ہے اور ان وسائل کو استعمال کرنے کی نااہلی پیدا کرتی ہے۔مزید اس بات پر تاکید کی جاتی ہے کہ یکساں مواقع کی محرومیت کی وجہ سے سماج میں اخراجی گروہ قدرتی وسائل کی رسائی اور استعمال نہیں پاسکتے ہیں۔یہ بات صرف وہی محسوس کرسکتا ہے جو ان حالات کا شکار ہوئے ہیں اور ہوجاتے ہیں۔

سماجی اخراج کی مثال یہ ہے کہ جب لوگ بے روزگاری، فن کی کمی، کم آمدنی، ناقابل رہائش مکان، اعلیٰ جرمی ماحول، خراب صحت اور گھر کی تباہی جیسے منسلک مجموعہ مسائل سے متاثر ہوتے ہیں۔کم آمدنی، غیر معیاری صحت، تعلیم کی کمی، ناقابل رہائش گاہ مکان اور مقامی ماحول کی کیفیت کی وجہ سے سماجی اخراج واقع ہوجاتی ہے۔جب لوگوں کو کام کرنے، سیکھنے، صحت منداور محفوظ زندگی گزارنے سے محروم کیا جاتا ہے اور لوگوں کو فارغ الخدمت کے سال بدامنی میں گزارنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے تب سلب انسانیت وجود میں آجاتی ہے۔سماجی اخراج ایک وسیع نظریہ ہے۔اس میں نہ صرف غربت سے متعلق مسائل کا مطالعہ ہوتا ہے بلکہ چھوٹے مادی ذرایع سے لے کر اقتصادی ،سماجی، سیاسی اور ثقافتی زندگی میں شرکت کی نااہلی بھی اس کے احاطہ مطالعہ میں آتی ہے۔اس کے علاوہ کچھ مراحل میں یہ سماج سے بیگانگی اور دوری برقرار رکھنے کے لیے لوگوں کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔ایک واضح معاہدہ کے مطابق سماجی اخراج ایک کثیر الاطراف نظریہ ہے جس میں اقتصادی، سماجی، جنسی، ثقافتی اور سیاسی حقوق کی محرومیت شامل ہے جو اس کو نظریہ غربت سے زیادہ وسیع بنادیتا ہے۔

مشہور ماہر اقتصادیات اور انسانی ترقی کا نظریہ کار، امرتیاسن دو قسم کے حالات یعنی ناپسندیدہ اخراج اور ناپسندیدہ شمولیت کے بارے میں بات کرتا ہے۔سماجی اخراج کچھ لوگوں کو اپنے یکساں حقوق کی رسائی سے روکتی

ہے جو مانے جانے اصولوں، قوانین، مثالوں پر بنیاد رکھتے ہیں۔اس عمل کو ناپسندیدہ اخراج کا عمل بھی کہتے ہیں۔اسی طرح ناپسندیدہ شمولیت میں کچھ سماجی گروہوں سے وابستہ لوگوں کو دیے گئے شرائط پر حقوق کی رسائی ملتی ہے۔ امرتیا سین کہتے ہیں انفرادی علیحدگی اور گروہ علیحدگی میں کافی فرق ہے۔مزید انہوں نے متحرک اور غیر متحرک اخراج کی بھی وضاحت کی ہے۔جب حکومت کی پالیسیوں یا کسی اور ذریعے سے لوگوں کو جان بوجھ کر مواقع فراہمی سے محروم کیا جاتا ہے اسے متحرک اخراج کہتے ہیں۔اور جب کوئی شخص کسی سماجی عمل سے غیر ارادی طور پر علیحدہ ہو جاتا ہے اسے غیر متحرک اخراج کہتے ہیں۔متحرک اخراج میں قابلیت اور اہلیت کے باوجود بھی حکومتی اور نجی ایجنسیوں نے منظّم طور پر اخراجی گروہوں کو سماجی کاموں میں شرکت کرنے سے روک رکھا ہے۔ عام طور پر ایسے کارکن خفیہ یا پوشیدہ طور ان کو پسند کرتے ہیں جو برابر یا کم اہلیت کے مالک ہوں۔غیر متحرک اخراج میں امتیازی گروہ کو حوصلہ شکنی اور خوف کے ذریعے سے روکا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی خود اعتمادی اثر انداز ہو جاتی ہے۔اس کے نتیجے میں بری کارکردگی وجود میں آتی ہے جو کئی ذریعوں سے آمدنی یا تعلیم کی رسائی کو محدود کرتی ہے۔غیر متحرک اخراج غیر ارادی کوششوں یا دوسرے افراد سے متعلق کچھ لوگوں کی نااہلی کی وجہ سے وجود میں آتی ہے۔اس بات کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے کہ سماجی اخراج براہ راست بھی ہوسکتی ہے اور بلا واسطہ بھی۔ براہ راست اخراج میں اچھے قواعد اور اصولوں کی شمولیت کی خلاف ورزی کی جاتی ہے جس کو کبھی ناپسندیدہ اخراج کا نام بھی دیا جاتا ہے۔جبکہ بلا واسطہ اخراج میں اچھے قواعد اور اصولوں کی شمولیت کی خلاف ورزی کی جاتی ہے اور اس کو ناپسندیدہ شمولیت بھی کہا جاتا ہے۔

ہندوستان کے تناظر میں سماجی اخراج:

ہندوستان کثیر شناختوں کے ذریعے اخراج کے معاملے کو ایک بہترین اور عمدہ طریقے سے پیش کرتا ہے۔جبکہ علیحدہ گروہوں کی تعداد ہندوستان میں کافی ہے لیکن آسائش کے طور پر ہم صرف تین یعنی دلت، عورت اور مسلمانوں کا مطالعہ کریں گے۔ان گروہوں سے متعلق تاریخی اور ہم عصر اخراج پر بحث کے ساتھ ہم ان کو اس معقول تصویر میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے جس میں یہ آج پائے جاتے ہیں۔ان تین گروہوں کو چننے میں کسی قسم کی تعصبی نہیں ہے اور نہ ہی ہم ان کے مسائیلوں کو کسی دوسرے علیحدہ گروہوں کے مسائل پر ترجیح دیتے ہیں۔ایک حساس شخص کے طور پر میں اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ ہر خارج کردہ شخص یا معاشرہ یا گروہ کے پاس ایک جائز کہانی ہوتی ہے جو سننے، لکھنے اور حل کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ تین گروہ اخراج کی وجہ سے بدترین صورتحال میں پائے جاتے ہیں اور جن سماجی، اقتصادی اور ثقافتی مصائب اور مشکلات سے وہ ہمکنار ہیں ان پہ سنجیدگی سے غور کیا

جاتا ہے۔

ا۔ذات پر مبنی اخراج: دلتوں کا ماجرا۔

ہندوستان میں سماجی اخراج کی تاریخ بہت طویل ہے جسکو تہذیب کا غیر موزوں نام دیا گیا ہے۔ ہندستان کے معاشرے میں مذہب، نسل، جنس اور ذات سماجی اخراج کی اہم بنیادیں تصوّر کی جاتی ہیں۔ سماجی اخراج، جو بنیادی طور پر تبعیض پر مبنی ہے، متحرک بھی ہوسکتی ہے اور غیر متحرک بھی۔ نظریہ ذات، اخراج، اور نظریہ امتیاز اور سماجی اخراج کا عمل، ان سماجی رابطوں اور اداروں کے اردگرد گھومتی ہے جو ذات اور نسل کی بنیاد پر لوگوں میں تفریق ڈال کر محروم کرتی ہے۔ اخراج کی نوعیت ذات پات کے اردگرد گھوم رہی ہے جس کو سمجھنے اور ایک خاص نظریے کی شکل دینا ضروری ہے۔ یہ ذات پات کی بنیاد پر اخراج ہے جس نے ہندوستان میں کئی تبصیص مخالف پالیسیوں کی بنیاد بنائی ہے۔ تاریخی لحاظ سے ذات پات نے ہندوستان کی سماجی اور اقتصادی زندگی کو ترتیب دے دی ہے۔

مجھے اس بات کا پھر سے دعویٰ کرنے دو کہ ہندوستان سماجی اخراج کا ایک بہترین اور عمدہ مسلۂ پیش کرتا ہے۔ ہندوستان کی کثیر آبادی میں سماجی اخراج کے کئی اقسام پائے جاتے ہیں۔ گہری جڑوں کی مدد سے ہندوستان کی سرزمین میں پیوست سماجی اخراج کا عمل باقی ممالک سے اس طرح مختلف ہے کہ یہ ثقافت کے بھیس کے اندر اپنی اصلیت کو چھپا رہا ہے اور اس طرح گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک صحیح عمل دکھائی دیتا ہے۔ جس کے تحت ہر ایک کو زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اخراج کی قدرت ایک ایسا عمل ہے جو ہمیں ہندوستان میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ ہندوستانی تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ اخراج ہندوستان میں ایک فرد کے کثیر شناختی نشانوں کے ذریعے سے عمل درآمد ہے اور یہ ہندوستان کی تہذیب میں گہرے طور پر پیوست ہے۔ دقیانوسی سوچ کے عناصر سماجی اخراج کے اعمال کو ہندوستانی ثقافت اور روایت کے مخصوص نشان قرار دے کر اس کو پسند کرتا ہے اس لیے سماج میں اس کو تحفظ دینے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان کی بنیادی شناخت کیا ہے؟ اور ہندوستان دوسرے ممالک سے کیسے الگ ہے؟ ظاہر ہے کہ ہندوستان کا ذات پات ہی اسکو دوسرے ممالک سے الگ ثابت کرسکتا ہے۔ ذات پات ہندوستان کی ایک مخصوص نشانی ہے۔ ہندوستان کی آبادی بڑے بڑے مذاہب اور اس کے بعد کئی ذاتوں میں تقسیم ہوچکی ہے۔ علم البشریات کے جائزہ کے مطابق ہندوستان میں تقریباً تین ہزار ذاتیں ہیں۔ ہندوستان کی آبادی چار ذاتوں میں تقسیم ہوچکی تھی

اس کا حوالہ ہمیں پہلی وید یعنی رگ وید کے دسویں منڈل پرش سکتا منڈل سے ملتا ہے چونکہ ویدوں کو خدا کی تخلیق سمجھا جاتا تھا اسلئے ورنا کو خداوند کی مہر لگ گئی۔اس طرح ذات پات ورنا کی ہی ایک شاخ ہے۔

ذات پات کے بارے میں زیادہ اہم یہ ہے کہ یہ نہ صرف افقی طور پر بلکہ عمودی طور پر بھی تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ساری ذاتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں برابر نہیں ہیں۔ذات پات نے سماج میں مکمل عدم مساوات عائد کیے ہیں۔ڈاکٹر امبیڈکر نے صحیح مشاہدہ کیا ہے کہ ہندو ذات پات میں جیسے جیسے نچلی ذات سے اوپر جاتے ہیں تو عزت اور تعظیم بڑھتی ہے اور جیسے جیسے اوپری ذات سے نیچے آتے ہیں تو ذلت اور حقارت بڑھتی ہے۔ ہندو ذات پات میں پاکیزگی اور آلودگی کا تصور پایا جاتا ہے۔اس لئے بعض ذاتوں کو پاک اور بعض کو ناپاک یا حقیر سمجھا جاتا ہے۔ذات پات کے حامی یہ خیال رکھتے ہیں کہ ہندومت کا ذات پات تخصیص کار پر بنیاد رکھتا ہے۔ اور معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کے لئے ہر ذات کو اپنا الگ کام دیا گیا ہے۔ڈاکٹر امبیڈکر نے موثر انداز میں اس رومانی خیال کا اعتراض کیا اور دعوی کیا کہ ذات پات نے مزدوروں کو بھی تقسیم کیا ہے۔

نزدیکی مشاہدے کے مطابق ذات پات ہندوستان میں اب ایک طبقہ بن گیا ہے۔ماہریں سماجیات نے مشاہدہ کیا ہے کہ ذات پات کی سیڑھی پہ جو ذات جتنی اونچی جگہ پہ ہے وہ اتنی بہتر اقتصادی مواقع کا استفادہ کرتی ہے۔اور جو ذات جتنی نچلی جگہ پہ ہوتی ہے وہ اتنی ہی اقتصادی مواقع سے محروم رہ جاتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے غریب لوگ عام طور پر نچلی ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ چونکہ ذات پات کو ثقافتی لباس میں ایک ادارے کی شکل دی گئی ہے۔ اس لئے نچلی ذات کے لوگوں کو ایک منظّم طریقے سے ہندوستان کی آزادی سے پہلے یا اس کے بعد بھی سیاست کے بڑے عہدوں کے بارے میں سوچنے یا ان پر فائز ہونے سے دور رکھا گیا۔ان لوگوں کو تجارت اور کاروبار، جو ذات پات میں تیسرے درجے کے لوگ یعنی ویشیا کا پیشہ تھا،ان سے بھی دور رکھا گیا۔ آلودگی کے تصور کے مطابق، کچھ لوگوں کو اچھوت، ناگزیر اور ناآشنا سمجھ کر کم سے کم مہذب انسانی وجود سے محروم کیا جاتا ہے۔وہ عوامی جگہوں یعنی سڑکوں، کنوؤں، حوضوں، یہاں تک کہ تازہ ہوا کی رسائی سے بھی محروم کیے جاتے تھے اور کیے جارہے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ہی اس بات کا مشاہدہ کیا ہے کہ ذات پر مبنی اخراج خود کو کئی طریقوں سے ظاہر کرتی ہے۔دلت، آدھی واسی اور دیگر پچھلے طبقات کے لوگ ذات پر مبنی تعصب کی وجہ سے بہت تکلیف دہ زندگی گزار رہے ہیں۔کیونکہ ان فرقوں سے وابستہ لوگ بالعموم قدرتی وسائل کے استعمال سے اور بالخصوص زمین اور جائداد کے

مالکانہ حقوق سے محروم کیے جاتے ہیں۔جس کی وجہ سے وہ غریب سے غریب تر، غیر تندرست اور ناخواندہ رہ جاتے ہیں۔مجموعی طور پر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان لوگوں کو سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے سے دور کیا جاتا ہے۔ نچلی ذاتوں کے خلاف خاص طور پر دلتوں کے خلاف تعلیمی اداروں میں اور سرکاری ملازمت حاصل کرنے میں گہرا تعصب اور اخراج عمل میں لایا جاتا ہے۔جیسا کہ سکھ دیو تھورٹ (Sukhadeo Thorat) نے اشارہ کیا ہے کہ نجی شعبے ملازمت فراہم کرنے میں دلتوں کو ایک منظّم طریقے سے نظر انداز کرتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ کسی دلت کو انٹرویو میں بُلانے کے امکانات کم رہتے ہیں۔اخراج اکثر تشدد کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے۔ذات پر مبنی اخراج اکثر لوگوں کی روزمرہ پسند کو بھی ختم کر دیتا ہے بالخصوص شادی سے متعلق۔یہی وجہ ہے کہ اکیسویں صدی، جس کو مابعد جدید دور کے نام سے جانا جاتا ہے، میں بھی بین ذات شادی کی مخالفت کی جاتی ہے۔خاص طور پر اعلیٰ ذات کے لوگ اس مضحکہ خیز خیال کے شکار رہتے ہیں کہ ان کی ذات کی پاکیزگی برقرار رہنی چاہئے اس لیے وہ بین ذات شادی کو اعلی ذات پر حملہ یا اعلیٰ ذات کا خاتمہ سمجھتے ہیں۔ریاست تلنگانہ کے ضلع نلگونڈا میں ایک دلت لڑکے، جس نے ایک ویشیا لڑکی سے شادی کی، کا قتل اس کی ایک دردناک مثال ہے۔

۲۔جنس پر مبنی اخراج:۔

دلتوں کی طرح ہندوستانی عورتوں کو بھی سماجی اخراج کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔اگرچہ فصاحت میں تعداد کے مطابق ان کو 'half of sky' (نصف آسمان) کا خطاب دیا گیا ہے حقیقت میں بدرشاہی رویوں کے ذریعے ان پر کئی ساری پابندیاں عائد کی جاتی ہیں۔عام طور پر عورتوں کی پیدائش ناگزیر اور ناپسندیدہ سمجھی جاتی ہے اور سائنسی طور پر اعلیٰ درجے کی جنسی تصدیق کے ذریعے ان کو پیدا ہونے سے بھی روکا جاتا ہے۔ اور عام معلومات کے مطابق عورتیں ایک ساں یا ایک جاتی نہیں ہیں۔

اگرچہ وہ ایک ہی جنس کی شناخت کے حامل ہیں پھر بھی ان کو کثیر شناختوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جیسے، ذات، طبقہ، مذہب، رنگ، قومیت، وغیرہ۔ ہندوستان کی عورتیں اکثر بعض مجبوریوں سے متاثر رہتی ہیں بدرشاہی روئے، عورتوں کی تخفیف اہمیت جس کی عکاسی جہیز میں پائی جاتی ہے۔علاوہ ازیں تمام عورتیں بنا کسی مذہبی، طبقاتی، ذاتی امتیاز کے جنسی استحصال کا شکار ہو سکتیں ہیں۔اگرچہ جنسی استحصال عورتوں کی شناخت پر بھی دارومدار رکھتی ہے۔البتہ جو سماجی اخراج اعلیٰ ذات سے وابستہ اور امیر عورتیں سہتی ہیں وہ غریب دلت عورتوں کے سماجی اخراج سے مختلف

ہے۔

خواتین کی علیحدگی کا تجزیہ ان کی تعلیمی حاصلات سے زیادہ عیاں ہوتا ہے۔ والدین کی لڑکوں کو ترجیح دینے سے بہت سے خاندان بیٹیوں کو اسکول نہیں بھیجتے۔ جو لوگ بھیجتے بھی ہیں وہ امتیاز برتتے ہیں۔ لڑکوں کو انگریزی میڈیم جیسے اچھے اسکولوں میں اور لڑکیوں کو کم لاگت والے یا علاقائی زبان والے میڈیم اسکولوں میں بھیجتے ہیں۔ جیسے جیسے لڑکے اور لڑکیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں لگتے ہیں یہ امتیاز جاری رہتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ بہت ساری لڑکیوں کو تعلیم کا سفر آدھے راستے میں ہی چھوڑنا پڑتا ہے کیونکہ انہیں والدین ہی وہاں سے نکالتے ہیں۔ اگرچہ اعلی طبقات میں لڑکیاں، لڑکوں جیسی ہی تعلیم حاصل کرتی ہیں، خواتین کی شادی وغیرہ کے سلسلے میں والدین کی تشویش کو اچھی طرح سے جانا جاتا ہے۔ اس طرح کے رویوں اور طریقوں کا مجموعی اثر یہ ہے کہ معاشرے کے سماجی اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی پہلوؤں میں عورتوں کی عدم شرکت سے علیحدگی میں اضافہ اور مکمل انسان بننے میں آڑے آتی ہیں۔

بدترین بات یہ ہے کہ خواتین کو اپنے خاندان، ذات، معاشرے اور مذہبی عزت کا بوجھ اٹھاتے دیکھا جاتا ہے۔ ذات اور مذہبی شناخت کو برقرار رکھنے کا بوجھ اور بعض عورتوں میں درجہ طبقہ کی شناخت، اور ذات اور مذہبی پاکیزگی کو برقرار رکھنا بھی عورتوں پر لاد دیا گیا ہے۔ ایک عورت کی بچہ دانی سب کچھ ہے۔ اس میں عزت کو محفوظ رکھنے یا اسے خراب کرنے کا امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خواتین کی جنسیت کو سختی سے محفوظ اور جبرً ا اختیار میں رکھا جاتا ہے۔ عورتوں کو محبت اور شادی کے لحاظ سے اپنا انتخاب کرنے سے خارج کیا جاتا ہے اور اکثر ایسا کرنے سے ان پر تشدد کا ارتکاب ہوتا ہے۔ معاشرے کی پاکیزگی یا اس کی عزت سے وابستہ جنون، جیسا کہ ہم نے اکثر دیکھا ہے، کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خواتین کو آزاد تحریک اور سماجی ملنسار سے علیحدگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ جس کو اخلاقی پولیس بھی کہا جاتا ہے۔

عورتوں کی علیحدگی اتنی مکمل ہے کہ مردوں کے مقابلے میں تقریباً سبھی مذہبی کتابوں میں انہیں ایک ثانوی حیثیت دی جاتی ہے۔ (عورتوں) ان کے پاس معقول ملکیت کے حقوق نہیں ہیں اور اس وجہ سے وہ معیشت سے خارج رہتی ہیں باوجود اس کے کہ وہ جی۔ ڈی۔ پی۔(GDP) کی شرکت میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ (عورتوں) ان کی گھریلو مزدوری میں شراکت کو ابھی تک معقول طور پر ماننا باقی ہے۔ ان کو سیاسی عملوں سے

خارج رکھا جاتا ہےاور قانون سازی کے ادارے میں ان کی نمائندگی ان کی آبادی کے حصہ سے بہت کم ہے۔مختصر یہ کہ عورتیں پنجرے کے پرندہ کی طرح اپنی زندگی بسر کر رہی ہیں۔اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ باقی بہت سارے حصوں سےان کی علیحدگی زیادہ شدید ہےاور پورانہ نظام نام نہادآزاد خواتین تک کوحراساں کرتا آرہا ہے۔

حیرانی کی بات یہ ہے کہ عورتوں کا ایک زمرہ خود ہی سابق صورت حال کی حمایت کرتا نظر آتا ہے۔خاندان کا ادارہ ایک شدید میدان جنگ جیسا بن گیا ہے جہاں پر بزرگ عورتیں عام طور پر چھوٹی عورتوں جیسے کہ بہوؤں پر طاقت آزمائی کرتی ہیں۔البتہ ایسے پہلوؤں کواس خوف سےنہیں تحقیق کیا گیا کہ بہنا جیسے ایجنڈا کوتوڑ دیا جائے۔

جدید ہندوستان میں مسلمان ایک مذہبی برادری کے طور پر ایک بدترین علیحدہ گروہ ہے۔ ہندوستانی تاریخ ،سماج اور ثقافت پر متضاد ہندوفرقہ وارانہ تفہیم کی وجہ سے ، مجموعی طور پر ہندوستانی مسلمانوں کو ہندوستان کی قومی جغرافیہ سے علیحدہ کیا جاتا ہے۔اوران کو عام طور پر حملہ آوروں کی نسل کے طور پر سمجھا جاتا ہےاوراس وجہ سے مستقل 'دوسرا' بھی۔مسلمانوں اوران کے مذہب اسلام کے بارے میں بہت سے غلط تصورات ہندونفسیات میں منظّم طور پر داخل کیے گئے ہیں۔ان دنوں ایسے خطرنات جھوٹے تصوّرات ایک ہندو دماغ میں گہرائی سے مستحکم ہو چکے ہیں۔اس طرح کے منفی تصوارت کی وجہ سے مسلمانوں کا اخراج معاصر بھارت میں ایک روزمرہ رجحان بن گیا ہے۔

مسلمانوں کے خروج اورامتیازی سلوک کی مثالیں جگہ جگہ پر پائی جاتی ہیں۔ان کے ساتھ امتیازی سلوک برتنے کی مثالیں اس بات سے سمجھی جاسکتی ہیں کہ ان کوکرایہ پر مکان بھی نہیں دیا جاتا ہے۔انہیں شاہکاری ہونے کے بولا جاتا ہے۔مسلمانوں کی پریشانی اس لئے بھی لاحق ہے کہ غیر مسلم اپنی جائداد مسلمانوں کونہیں بیچتے ہیں۔سرکار کی طرف سے امتیازی سلوک سرکاری اور غیر سرکاری ملازمتوں میں بھی اورایک المیہ ہے۔دور جدید میں لو جہاد نام پر مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک برتا جارہا ہے۔ایسی پریشانیوں کی بناء پر مسلمانوں کوزبردستی سے محلّہ اقلیت میں دھکیلا جاتا ہے۔ ایسی مجبوریوں کی وجہ سے مسلمان الگ تھلگ اور غیر مقدم بن جاتا ہے اور مسلمانوں کی ایسی جبری جدائی اورتنہا سازی ہندوستانی جمہوریت اورقومی سالمیت کے لیے ایک خطرے کی گھنٹی سمجھا جارہا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف تشدد کی مثالیں بڑھتی جارہی ہیں۔اس سازش کے تحت مسلمان قوم کومحلّہ اقلیت میں شامل کر کےان پر ایک چھوٹا پاکستان بنانے کا الزام عاید کیا جاتا ہے۔

حال ہی میں Food Facism ، بحثیت ایک نیا مسئلہ، نے جنم لیا ہے۔ تہذیب کے نام پر

مسلمانوں کو ہندو بھائیوں کی برادری کو بنائے رکھنے کے لیے بہت سارے سمجھوتے کرنے پڑ رہے ہیں۔ جہاں حالیہ دنوں مسلمانوں کو گوشت نہ کھانے کی تاکید کی جاتی ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ہندو بھائیوں کے مذہبی اصولوں کو چوٹ پہنچتی ہے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ مسلمانوں میں بھی ایک اچھا خاصا مجموعہ گوشت نہیں کھاتا ہے شاہکاری کھانے کو اپنا تہذیبی اور تمدنی ورثہ بنانے کی کوشش میں اکثر مسلمانوں کو قومی سالمیت سے درکنار کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گویا گوشت خور لوگ یا مسلمانوں کی نسل ناپاک اور تشدد پسند لوگ سمجھے جاتے ہیں۔ چناچہ مسلمان گوشت کھاتے ہیں لہذا انہیں تشدد پسند سمجھا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ گوشت خور کو وحشی جنسی برتاو کے لیے بدنام کیا جاتا ہے۔ برعکس اس کے کہ وہ وحشی ہو یا نہیں۔ مسلمانوں پر الزام عائد ہے کہ وہ زیادہ بچے رکھنا پسند کرتے ہیں اور یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ مسلمان ہندو عورتوں کو لو جہاد کے نام پر استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ لو جہاد کے نام پر صرف مسلمانوں نے ہندو کے ساتھ شادی نہیں کی بلکہ دوسرے مذہبوں سے تعلق رکھنے والے لوگ بھی شادی کر چکے ہے۔ لیکن بدقسمتی سے صرف مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔

مسلمانوں کو سماج کے اونچے طبقوں سے برطرف رکھنے کی ہر ممکن کوشش ہو رہی ہے اور ان کے برطرف کرانے کی وجوہات ان کی غذائی عادتیں بتائی جاتی ہیں۔ کیونکہ مسلمان عیدالضحی کے موقع پر قربانی کا گوشت کھاتے ہیں۔ مسلمانوں کو وحشی اور تشدد پسند تصور کرنا مانو سماج میں پہلے ہی پنپ رہا ہے۔ لہذا انہیں سماج میں ان کی صحیح جگہ ملنا ایک خواب لگ رہا ہے۔ ایک تشدد پسند مسلمان کو ہندوستان میں رہنے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ ہندوستان کو غیر تشدد ملک مانا جاتا ہے۔ اس لیے خوشحال بھارت کو خوشحال بنائے رکھنے کے لیے انہیں پاکستان بھیجنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ چناچہ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ مسلمان لوگ صرف پاکستان کے لیے ٹھیک ہے۔

ایک مطالعہ کے مطابق جیسے سچر کمیٹی اور رنگا ناتھ مشرا کمیشن رپورٹ سے مسلمان اقلیتی کو کیسے قومی سالمیت سے بے دخل کیا جارہا ہے۔ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی تعلیمی قابلیتوں پر بھی اثر پڑ چکا ہے۔ مسلمانوں کی معاشی حالت کو بھی اثر انداز کرنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ مسلمانوں میں اقتصادی معلومات کو بہت کم شامل کیا جاتا ہے۔ اکثر مسلمانوں کو بہت ہی نچلے طبقوں کی ملازمتوں میں شامل کیا جاتا ہے۔ جیسے دلتوں کو نچلے طبقوں میں شمار کیا جارہا ہے ویسی ہی حالت مسلمانوں کی اس قوم میں ہے۔ مسلمانوں کے لئے مثبّت اقدام نہ اٹھانے کی سبب ان کی اعلیٰ تعلیم اور سرکاری ملازمت متاثر رہتی ہے۔ اور جیسا کی سوکھدیو تھورات (Sukhadeo Thorat) نے بھی اس

بات کو واضح کیا ہے کہ نجی شعبہ بھی مسلمانوں کے ساتھ تعصب اور سوتیلا برتاوء کر رہے ہیں۔ ان ساری مصیبتوں پر المیہ ہے کہ مسلمان فرقہ وارانہ مسائل کا شکار بھی رہتے ہیں۔ ان پر یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ ان میں قومیت کے تئیں کوئی خاص آمادگی نظر نہیں آتی۔

ہندوستان میں ہندو فرقہ وارانہ واردات اور مسلمانوں کا اخراج ایک ساتھ چل رہا ہے۔ ابھی بھی ہندوستان کے مسلمانوں کو تقسیم ملک کے طعنے سننے پڑتے ہیں اور ان کو پریشان کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ مسلمان بھی اب خوف اور تردید کی زندگی محسوس کر رہے ہیں۔ اکثر محققوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مسلمانوں کو سماجی ثقافتی، سیاسی زندگی سے نظر انداز کرنے کی سب سے بڑی وجہ ان کے صحیح مواقع فراہم نہ کرنے کی ہے۔ یہ موقعے ان کو تحفظ یا ریزرویشن کے ذریعے دیے جاسکتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کے تحفظ کے خلاف بہت سارے سوال اٹھائے جاتے ہیں۔ یہ سارے سوال صرف ہندو فرقہ کے لوگوں نے نہیں اٹھائے بلکہ سماج میں پنپ رہے ترقی پسند عناصر نے بھی اپنی ناراضگی دکھائی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی مانی جاتی ہے کہ صرف ہندو لوگ ہی ریزرویشن Reservation کے حق دار ہیں۔ اور سب سے زیادہ سنگین فرقہ وارانہ اعتراض یہ ہے کہ کسی بھی مذہب کے نام پر Reservation نہیں دینی چاہئے۔ اور مسلمان خاص طور پر تحفظ کے مستحق نہیں ہیں۔ کیوں کی وہ مسلمانوں کے اس حکمران طبقے سے وابسطہ ہیں جنہوں نے ماضی میں تقریباً 700 سالوں تک حکومت کی ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے تناظر میں تحفظ کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھ سکتا ہے۔ کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہے کہ اگر مسلمانوں کو ریزرویشن دی جائے تو ملک کی حالت ایک بار پھر 1947 جیسی ہوگی۔ ایسے لوگ اپنی بات کو اس بات سے تسلیم کرانا چاہتے ہیں گویا اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اس میں اونچ نیچ کا فرق نہیں سمجھا جاتا تو مسلمانوں کو ریزرویشن کی کیا ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو سوشل کاسٹ سے الگ رکھنا ہمارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کیا ہم نہیں جانتے ہے کہ کیسے انہیں بہت ساری چیزوں اور مواقع سے دور رکھا جا رہا ہے۔ بہت سارے لوگ تو 1950 عیسوی کے صدارتی حکمنامے پر اپنی ناراضگی بھی جتاتے ہیں اور اس میں ترمیم کی صلاح بھی پیش کرتے ہیں کہ اس کو مذہب سے غیر جانبدار بنایا جائے تاکہ مسلمانوں کی شمولیت اس میں یقینی ہو جائے۔

Conclusion

پہلے کی بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ دنیا کے دیگر معاشروں کی طرح ہندوستانی معاشرے 'معیشت'

ثقافت اور سیاست بھی سماجی امتیازی سلوک اور علیحدگی کے شدید طریقوں سے متاثر ہوئے ہیں۔ ہندوستانی معاشرے کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ بھی ہے کہ بھارت کی تاریخ کے مختلف دوروں میں ذات، جنس، اور مذہبی تسلسل اور امتیازی سلوک کے خلاف احتجاجی تحریکیں ابھرتی رہیں۔ افسوس کہ اس کے باوجود خارج شدہ گروپوں کے خلاف تعصب جاری ہے اور بدلتے وقت کے ساتھ نئے تعصّبات ابھرتے ہیں۔ اگرچہ برطانوی نوآبادیاتی حکومت کے وقت سے علیحدگی اور امتیازیت کو کم کرنے کے لئے کئی قوانین موجود ہیں، اور بعض معاملات میں ان کو مستقل طور پر ہٹادیا گیا، ہمارا تجربہ رہا ہے کہ صرف قانون سازی ہی معاشرے کے بدلاو یا ایک ابدی سماجی تبدیلی پیدا کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ نوآبادیاتی دور کے دوران بچوں کی شادی پر پابندی اور آزاد ہندوستان میں چھوت چھات کی عمل پر پابندی اس امر کی سنگین مثالیں ہیں۔ لہذا جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ ایک مسلسل سماجی مہم ہے جو مثبت شعور اور انسانی حساسیت کو پیدا کرے۔

ہم نے پہلے ہی یہ دیکھا ہے کہ علیحدگی کی مختلف قسمیں اداری بنیاد کی ناکافیت، بدعنوانی، صحیح حوصلہ افزائی کی ساخت کی کمی اور عمومی سماجی اور ثقافتی معیاروں کی وجہ سے عزم ہوتی ہیں۔ وجہ جو کچھ بھی ہو، اس سے کچھ لوگوں کو اس معاشرے جس کا وہ ایک اہم حصہ ہیں کے مساوی ارکان کے طور پر حصہ لینے پر پابندی عائد آتی ہے۔ یہ علیحدگی ان کو غربت سے بچنے کی صلاحیت سے محدود رکھتی ہے۔ اگر ایسے گروہوں کو شامل کیا جائے تو سماجی فلاح و بہبود کے منصوبوں کو مضبوط بنانا ہوگا، اگرچہ ایسے منصوبے دیکھنے میں معمولی لگیں۔ کیونکہ عام طور پر سماجی فلاح و بہبود کے منصوبے غریبوں کو برابر مواقع فراہم کرنے کا کام کرتے ہیں۔

سماجی علیحدگی جیسا کہ سبھی محققین نے اتفاق کیا ہے کہ ایک کثیر جہتی رجحان ہے جسے فوری طور پر خطاب کرنے کی ضرورت ہے، اگر کسی قوم کو انصاف پسند، منصفانہ، یکسان اور مستحکم معاشرے کی ضرورت درکار ہو۔ سماجی اخراج جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے صرف رویوں کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ سماجی ڈھانچے کا ایک اہم حصہ بھی ہے۔ اسی لیے رویوں کو تبدیل کرنا لازمی طور پر سماجی اخراج کو ختم نہیں کرے گا۔ ایک معاشرے کا سماجی ڈھانچہ سماجی اخراج کی بحالی میں حصہ لیتا ہے۔ اس قابل نفرت چکر سے باہر کوئی آسان راستہ نہیں ہے۔ لہذا ہمیں پورے سماجی ڈھانچے کو تبدیل کرنے کے لیے طویل مدتی مقصد کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے جبکہ ساتھ ساتھ ہی اوپر ذکر کردہ مختلف اور مختصر مدت کے اقدامات کرنے کی کوشش بھی جاری رکھنی چاہئے۔ ایسے اقدامات پر ذیل میں تبادلہ خیال کیا جائے گا۔

چونکہ سماجی اخراج ایک کثیر جہتی رجحان ہے۔ہمیں اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک کثیر شعباتی نقطہ نظر کا آغاز کرنا ہوگا۔ ایک فرد اور ایک ایجنسی اسے حل نہیں کر سکتی۔ اور اس کے لیے سرکاری شعبات کا عزم ضروری ہے اور سوسائٹی اور این۔جی۔اوز۔ (NGO's) کا عزم بھی ضروری ہے۔ سماجی اخراج کو کم کرنے میں نجی شعبوں کا بھی ایک اہم کردار ہوتا ہے۔ اس سب کا یہ مطلب ہے کہ صرف اجتماعی کوشش سے ہی صدیوں پرانی سماجی اخراج کو معنی خیز طور پر ختم کیا جا سکتا ہے۔

Bibliography

Centre for Peace Studies, Broken Promises – A Study on the Socio-Economic Status of Indian Muslims: Seven Years post-Sachar, Danish Books, Delhi, 2014.

Editors, Charles River, Nelson Mandela: The Life and Legacy of the Father of South Africa, CreateSpace Independent Publishing Platform, 2013.

Islam, Maidul, Mapping the Socio-Economic Status of Indian Muslims: A Factual Analysis, Working Paper Series, Vol. I, No. 2, Programme for the Study of Discrimination and Exclusion, School of Social Sciences, JNU, New Delhi, 2009.

Jha, Praveen K., et al., Caste and Community-Based Labour Market Discrimination: A Pilot Study in Noida, Working Paper Series, Vol. I, No. 1, Programme for the Study of Discrimination and Exclusion, School of Social Sciences, JNU, New Delhi, 2009.

Johnston, H.B., 'Social Exclusion: Inaugural issue of the Gender, Health and Human Rights Section', Journal of Health Population and Nutrition, Vol. 27, No.4 (Special Issue) August 2009, pp, 423-425.

Kadun, Pradeep B. and Ravindra D Gadkar, 'Social Exclusion – Its Types and Impact on Dalits in India' IOSR Journal of Humanities and Social Science, Vol. 19, No. 4, (Apr. 2014), pp. 81-85.

Modi, Ishwar, 'Social Exclusion and Inequality: Challenges before a Developing Society', Sociological Bulletin, Vol. 64 (1), January-April 2015, pp. 3- 10.

Sen, Amartya, Freedom, Rationality, and Social Choice: The Arrow Lectures and Other Essays, Oxford University Press, Oxford, 2000.

Silver, Hilary, 'Social Exclusion and Social Solidarity: Three Paradigms', International Labour Review, Vol. 133, nos. 5-6, 1994, pp- 531-578.

Social, Economic and Educational Status of the Muslim Community of India: A Report [popular as Sachar Committee Report], Prime Minister's High Level Committee, Cabinet Secretariat, Government of India, November, 2006.

Thorat, Sukhadeo and Narender Kumar, B.R. Ambedkar: Perspectives on Social Exclusion and Inclusive Policies, Oxford University Press, New Delhi, 2009.

Thorat, Sukhadeo and Katherine S. Newman (eds.), Blocked by Caste: Economic Discrimination in Modern India, Oxford University Press, New Delhi, 2010.

Report of the National Commission for Religious and Linguistic Minorities, Ministry of Minority Affairs, Government of India, 2007. (Popular as Ranganath Misra Commission Report on Religios and Linguistic Minorities).

Veit Wilson, J., Setting Adequacy Standards- How Government Define Minimum Incomes, the Policy Press, United Kingdom, 1998.

Byrne, David, S. Social Exclusion-Issues in Society, Open University Press, United Kingdom, 1999.

Levitas, Ruth, The Inclusive Society?: Social Exclusion and New Labour, Palgrave Macmillan United Kingdom, 2005.

Gough, Jamie, Spaces of Social Exclusion, Routledge Publishers, United Kingdom, 2006.